یامعین ۷۸۶ رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۳۵

ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ہم الغالبون

خطیب

ایڈیٹر ابو المعانی

مذہبی سیاسی علمی و ادبی دلچسپیوں کا مجموعہ

جو انگریزی مہینے کی ہر ۷ - ۱۴ - ۲۲ - ۳۰ کو شائع ہوتا ہے

مقام اشاعت دہلی کوچہ چیلاں

شمارہ ۲	۱۴ جنوری سنہ ۱۹۱۵ء مطابق ۲۷ صفر المظفر سنہ ۱۳۳۳ھ پنجشنبہ	جلد ۱

پروپرائٹر محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ دو روپے آٹھ آنہ۔ ششماہی ایک روپیہ چھ آنہ۔ نمونہ ایک آنہ

حروف یونین پریس دہلی میں مرزا محمد الواحدی پرنٹر و پبلشر کے اہتمام سے چھپا

خواجہ حسن نظامی کا توپخانہ

چار پیسے کو بندوق دو پیسے ہوائی جہاز دو پیسے کو بم دو پیسے کو مجموعہ اعلان جنگ چار پیسے کو مجی کا میدان جنگ چار پیسے کو جرمن شہزادے کی لاش دو پیسے کو۔ الغرض تمام ہتھیار نگے بیر بغیر لائسنس بکتے ہیں۔ جلدی منگائیے ورنہ پھر بک جائینگے۔ یہ سب کتابیں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے آجکل لکھی ہیں جنمیں ہنسی عبرت فلسفہ تصوف بھرا ہوا ہے

غدر دہلی

کے افسانے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات جو بادشاہ اور ان کے گھرانے کی عورتوں وغیرہ کو پیش آئے حضرت خواجہ صاحب نے خود انہی لوگوں کی زبانی جن پر یہ حالتیں گزری ہیں سنکر اپنی مشہور طرز تحریر میں لکھے ہیں۔ ہر فسانہ عبرت و حسرت کی تصویر ہے۔ پڑھنے والا ان انقلابات کو پڑھ کر بے چین ہو جاتا ہے اور بغیر آنسو بہائے قصے کو ختم نہیں کر سکتا۔ خدا سے ڈرنے اور دولت کا انجام کار سوچنے کے لیے اس کتاب سے بڑھکر کوئی ناصح نہیں مل سکتا۔ چھوٹی خوبصورت تقطیع پر نہایت خوشنما چھپی ہے۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴ر

خونِ ناحق

جنگ طرابلس کے تحیر خیز نتائج۔ اہل اسلام کے لیے بڑے بڑے سبق۔ عربوں کی عدیم المثال امتیازی خصوصیات توحش اور تمدن کے کرشمے۔ ولولہ انگیز قوی دکھڑے۔ غرض بیسیوں نادر الوجود مضامین ایک سے ایک بڑھکر۔ اس کتاب کی لکھائی چھپائی خاص اہتمام سے ہوئی ہے۔ سرورق کا دلفریب نقشہ لوح دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ تقطیع بڑی۔ کاغذ نہایت نفیس ولایتی ضخامت ۱۴۴ صفحے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

سیرۃ العباس

یعنی عم رسول اللہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مکمل و مفصل سوانحعمری ہے جناب مولوی حکیم فرید احمد صاحب عباسی نے بڑی عرقریزی سے اور جانفشانی کے ساتھ عربی کی مستند کتابوں سے دیکھکر مرتب فرمایا ہے قیمت عہ

انتخاب نظام المشائخ

رسالہ نظام المشائخ دہلی کے ابتدائی پرچے جو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی ایڈیٹری میں نکلے تھے اونمیں کے چیدہ چیدہ مضامین مع ہاف ٹون تصاویر خواجہ حسن نظامی و ملا محمد الواحدی صاحب انتخاب نظام المشائخ کے نام سے شائع کئے گئے ہیں ضخامت ڈیڑھ سو صفحے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲ر

منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

حق کی فتح

اسجکل کی پریشانیوں کے زمانہ میں لوگ اہل اللہ والوں کی طرف کھنچے گئے ہیں۔ اور ان کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔ اب ہم سے بزم فرید سنکر پڑھیے یہ راحۃ القلوب کا بہترین ترجمہ ہے راحۃ القلوب میں حضرت سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے حضرت بابا فرید الدین گنجشکر کے ملفوظات اور مجالس کے حالات جمع کیے ہیں۔ اسکے مطالعہ سے بڑی تسکین ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے گویا آپ کسی قطب الاقطاب کے سامنے بیٹھے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ مترجمہ ملا محمد الواحدی۔ ضخامت ۱۱۶ صفحے قیمت ۸ر

شہید

یعنی حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی اور انکے پیر اور ہندوستان کے مشہور مجدد حضرت سید احمد صاحب بریلوی کی سوانح عمری۔ آپ تیرھویں صدی کے ممتاز اولیا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کی ایک یہ ہے کہ آپ نے مشرکانہ رسوم کی اصلاح کے لیے بڑے کام کیے آپکے حالات دلچسپ سبق آموز اور عبرت انگیز لاکھوں ماننے والوں کو ان سے بے خبر نہ رہنا چاہیے نئی روشنی کے لوگ بھی انہیں مزے لے لیکر پڑھتے ہیں اور پرانی وضع کے اصحاب کیلیے تو یہیں سب کچھ ہے ضخامت۔ ۔ ۔ صفحے تقطیع بڑی قیمت عہ

دلی کی عید { غدر سے پہلے کیسی ہوتی تھی۔ اور اب کیسی ہوتی ہے۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۱ر

ایڈیٹر کا حشر { ایک عبرتناک فسانہ از مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار قیمت ۱ر

تین پر ایک { حصہ چہارم شیخ سنوسی مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۴ر

ناگفتہ بہ { حصہ پنجم شیخ سنوسی کا قیمت ۴ر مصنفہ خواجہ حسن نظامی صاحب

منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ الله

خطیب

شمارہ (۲) | ۱۴ جنوری ۱۹۱۵ء مطابق ۲۷ صفر المظفر ۱۳۳۳ ہجری۔ پنجشنبہ | جلد (۱)

حسیاتِ اسلامیہ

اقتضائے فطرت اور اسلام

گزشتہ اشاعت میں ہم نے اسی باب کے تحت میں "دعوت الم" کے عنوان سے ایک اجمالی نظر اپنی موجودہ حالت پر ڈالی تھی، اور یہ ظاہر کیا تھا کہ اس دورِ نامرادی کے شدائد اگر کسی صورت سے خفیف کیے جا سکتے ہیں تو اسکی صرف ایک تدبیر ہے، اور اسی سے ہم غافل ہیں۔ شعائرِ اسلام کی حقیقی عزت صرف یہ نہیں کہ ہم نے ان کے متعلق کتابیں مدون کرلیں، یا ضخیم صحائفِ تاریخی میں ان کو محفوظ کر دیا، بلکہ وہ بہت اور کچھ چاہتے ہیں، اس سے زیادہ کسی شے کے مستحق ہیں، وہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہیں، ایک محکم اور غیر متزلزل صداقت ہیں، جن کو نہ ہماری تصانیف کی ضرورت ہے اور نہ صحائفِ تاریخی کی۔ وہ تو دنیا میں صرف اس لیے بے نقاب کیے گئے ہیں کہ ان سے صرف ان کے لیے تعلق پیدا کیا جائے، اور یہ ممکن نہیں جب تک ہماری تصدیق بالقلب یا اقرار باللسان کی تائید میں ہمارے جوارحِ ظاہری بھی نمایاں حصہ نہ لیں۔ کیونکہ جذبات جب تک صرف جذبات ہیں، اعتقادات کی کمزور صورت ہیں، لیکن جس وقت وہ ہمارے اعضاء سے ظاہر ہونے لگتے ہیں، جس وقت وہ ہماری حرکات و سکنات کے اندر ہو کر نظر آنے لگتے ہیں، تو وہ مذہب ہو جاتے ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ کیوں ہم مذہب کو فطری صداقت مانتے ہیں، کیوں نظم عالم کو اسکا منت کش سمجھتے ہیں، اور اس وقت جب کہ ہم کو ایک سچے مشیر، ایک صادق دوست کی ضرورت ہو، ہم کیوں اسی کی طرف متوجہ ہونا چاہتے ہیں، ذرا تفصیل چاہتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مطلق مذہب کا خیال ایک فطری ادعا ہے جو ابتدائے آفرینش سے انسان میں ودیعت ہے، اور کسی زمانہ میں اس سے جدا نہیں ہوا ہے (یہ بات دوسری ہو کہ اسکی صورتیں مختلف ہوں، اس کے مدارج تعمیل میں فرق ہو) یہاں تک کہ اس وقت کوئی صحیح اندازہ اس امر کا نہیں ہو سکتا کہ کتنی بار، اور کتنی مختلف اشکال میں اس اقتضائے فطرت نے اپنی تپش ظاہر کی، اور اس موسیقار نے کتنی دفعہ اپنی خاک سے اپنے کو نمودار کیا۔ مختلف مذاہب و مسالک کی تحقیق کر دو یا سائنس و فلسفہ کے کسی عالم کے حالات دریافت کر دو یا ایک جاہل کے۔ نتیجہ یہی نکلیگا کہ سب کا رجحان ایک ہی طرف ہے۔ کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جو صرف ایک حیرت آمیز کیفیت نہ کھینچ رہا ہو۔ پھر اب اس کو دیکھیے کہ ایسا کیوں ہے۔ مذہب کی بنیاد کیوں ایسی عالمگیر ہے، کوئی قوم، کوئی جماعت اس وقت تک ایسی نہیں ہوئی کہ جس میں مذہب کا خیال نظام عالم کو دیکھ کر نہ پیدا ہوا ہو، روز صبح کو آفتاب کا اسی زریں اداؤں کے ساتھ نکلنا اور شام کو اسی ارغوانی انفعال کے ساتھ اس کا ڈوب جانا، چاند کا نکلنا، بڑھنا، گھٹنا، موسموں کی مناسب تبدیلیاں، دن رات کا برابر ایک ہی انداز سے آتا جانا، تخم سے درخت کا پیدا ہونا، وغیرہ وغیرہ ہزاروں لاکھوں ذی تجربات ایسے نہیں کہ کوئی شخص اطمینان سے بیٹھ کر کبھی ان پر غور کرے اور متحیر و مبہوت نہ رہ جائے۔ چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اکثر اسی تفکر و تدبر نے رہنمائی کی اور اسی نے مذہب و فلسفہ کی جدا جدا بنیادیں ڈالیں، وہ لوگ جنہوں نے اس نظام عالم کو خدا کے ارادہ سے سمجھا، اسی کی طرف یہاں کے سارے تغیرات کو منسوب کیا، مذہبی لوگ کہلائے، اور وہ لوگ جن کی متمرد عقلوں نے اپنے عجز و لاچاری کا اعتراف صحیح گوارا نہیں کیا، وہ قانون فطرت اور اس کے اسباب و علل کے جھگڑے میں پڑ گئے اور فلسفی کہلائے۔ چنانچہ کیپلر نے نظام شمسی پر قوانین قدرت کو محتوی کیا، پاپائے روم نے اس سے انکار کیا اور فلسفۂ حرکات و حیل کی بنیاد ڈالی۔ گلیلیو نے تحریک الاجرام کے اصولی قوانین دریافت کیے، اور نیوٹن نے اس نظام شمسی کو بھی ہندسانہ جبر کا پابند ہونا ثابت کیا۔ غرضکہ یہ اور اسی قسم کے خدا معلوم کتنے اصول اپنے پندار میں تیار کیے، لیکن یہ امر کہ ان میں کہاں تک صداقت ہے خود انہیں اصول کے باہم تصادم و تضارب سے معلوم ہو سکتا ہے۔

بہرحال نظام عالم نے جب فطری طور سے درسِ مذہب دیا تو اسی کے ساتھ ایک گروہ دوسرا بھی پیدا کر دیا، جس نے ایک ناکام کوشش اور ایک مستقل جد و جہد مذہب کے خلاف کی، اور اس کوشش کو ناکام کہنا غلط نہیں ہے، کیونکہ سائنس اور فلسفہ کا صرف ایک اصول ہے جس پر اس کا مدار حیات ہے، اور وہ اصولِ استقراء (Induction) ہے، یعنی تلاش و جستجو سے، مشاہدہ و تجربہ سے کسی نتیجہ پر پہونچنا، پھر علاوہ اس نقص کے کہ کوئی استقراء استقرائے کلی نہیں ہو سکتا، اور تمام افراد متعلقہ پر حاوی نہیں ہو سکتا، اور جب تک استقراء تام نہ ہو کوئی کلیہ قایم نہیں ہو سکتا، یوں بھی اس کا طریقۂ استدلال عجیب و غریب ہے۔ مثلاً ایک ڈھیلا ہم اوپر پھینکتے ہیں اور حکم لگاتے ہیں کہ وہ زمین پر گر پڑیگا، کیونکہ یہ تجربہ ہے۔ اس تجربہ پر ہمارا یقین کیوں ہے؟ اس لیے کہ قانون فطرت ہمیشہ یکساں رہتے ہیں، اور قانون فطرت کیوں غیر متبدل ہیں؟ ہمارا تجربہ بتاتا ہے، تجربہ پر کیوں یقین ہے؟ کیونکہ فطرت کے اصول میں تغیر نہیں۔ غرضکہ دور و تسلسل قایم ہو جائے گا، اور کوئی مسکت نتیجہ نہیں نکل سکیگا۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز اور بھی ہے، جس پر ہمارے علوم کا دار و مدار ہے اور وہ چیز تمیز فطری ہے پس جس طرح مذہب کا خیال فطرت ہے، سائنس بھی اس کے احاطہ سے نہیں بچ سکتا، کیونکہ آخری بنیاد اس کی تمیز فطری پر ہے، جو تجربہ سے مقدم ہے، پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ مذہب بالکل ایک فطری ادعا ہے، تو اب غور طلب یہ امر رہ گیا کہ کیوں، اور اس فطری ادعا اور طبعی

اقتضاء کا پورا ہونا کس طرح ہوا؟ سوالِ اوّل کا جواب بہت آسان و مختصر ہے کہ فطری اور اُسی اضطراری خواہش کا نام ہے جو از خود دل میں پیدا ہو جائے اور اُس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئے ہم کوئی ارادہ کرتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ارادہ کرتے ہیں، جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہیں، تو ہم اپنا موجود ہونا سمجھتے ہیں۔ غرضکہ جس طرح یہ معرفت طبعی کسی دلیلِ منطقی کی محتاج نہیں بالکل اسی طرح نظامِ کائنات کو دیکھکر فطرت کا مذہب کی طرف مائل کرنا کسی علّت یا بُرہان کا طالب نہیں۔ اب رہا دوسرا سوال کہ اقتضائے فطرت کس طرح پورا ہوا؟ اس کے جواب کے لیے تھوڑی سی تمہید کی ضرورت ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ فطرت کچھ آج تو نئی نہیں پیدا ہوئی، کہ اُس کے داعیات بھی نئے ہوں، بلکہ وہ تو تخلیقِ عالم کے ساتھ ساتھ وجود میں آئی اور اُس کے داعیات بھی اُسی کے ساتھ اُسی وقت سے ہیں، اور اسی لیے ابتدائے خلقت میں (اُسی اقتضائے فطرت کے لحاظ سے) سب آدمیوں کا ایک ہی مذہب پر ہونا یقینی ہے، جسکی طرف کلامِ مجید میں اشارہ ہے کہ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ یعنی شروع میں سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے، پھر جب آپس میں اختلاف ہوا تو اللہ نے پیغمبر بھیجے اور اُن کی معرفت کتابیں بھیجیں، تاکہ جن باتوں میں اختلاف ہو رہا ہے، کتابِ الٰہی اُن کا فیصلہ کر دے۔ پھر یہ تبدیلیاں کچھ تو ترقی تمدن کی وجہ سے لازم ہوئیں، کچھ فساد و طغیانِ مخلوقات کی وجہ سے اور کچھ دیگر ضروریاتِ زمانہ کے لحاظ سے، اور کچھ اختلافِ ممالک و اقوام کے باعث سے۔ اور اسلیے اگر یہ سب اسباب قطع نظر کر دیے جائیں، تو معلوم ہوگا کہ ابتدائے عالم سے لیکر اس وقت تک مذہب ایک ہے، اور کوئی مذہب دوسرے سے مختلف و متضاد نہیں۔ چنانچہ مذہبِ اسلام کا بالکل فطری مذہب ہونا اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دُنیا میں کسی نئی تعلیم کی بنیاد ڈالنے نہیں آیا، اور اُن حشو و زوائد کو نکال لینے جو موجودہ تمدن کے لحاظ سے ضروری نہیں تھے یا غلطی سے مذہبی اصول قرار دیے گئے تھے۔ یہودی مذہب میں ظاہری ارکان کی پابندی میں اسقدر شدت تھی کہ باطنی صفائی بالکل مفقود تھی، اور روح ذرا متاثر نہ ہوتی تھی، برخلاف اس کے عیسوی تعلیم میں باطنی صفائی پر اس قدر زور دیا گیا کہ دُنیاوی زندگی لغو و بیکار ہو گئی، اسلام نے آکر اس آپس کی تفریق کو مٹا دیا، اور اُس نے وہ تعلیم دی جو جملہ ادیانِ سابقہ کی محیط تھی، اُس نے اسپر غور کیا کہ انسان کی دو حالتیں (حیوانی و روحانی) ہیں، اور ان دونوں میں اختلاف ہے، پھر روحانی حالت کا تعلق عقل و جذبات سے ہے، جو یوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں لیکن اخلاق و تمدن میں باہم مجتمع ہو جاتے ہیں، پھر اخلاق و تمدن میں بھی ذاتی ضروریات اور سوسائٹی کے ضروریات کیا ہیں؟ اور پھر ایک ایسی جامع زندگی کا نمونہ آنحضرت صلعم میں پیش کیا گیا جس کی سخت ضرورت تھی، اور جس کے بغیر دُنیا کا تمدن خراب ہوتا جا رہا تھا، اگر اُسنے ایک طرف "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" کے وعظ سے تحصیلِ دُنیا کی طرف متوجہ کیا تو دوسری طرف "مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ" کی تعلیم سے اُس میں ایک مناسب اعتدال پیدا کر دیا۔ صرف عباداتِ ظاہری اور روزہ نماز ہی اُس کا انتہائی مقصد نہ تھا، بلکہ اُس کی تعلیم تو یہ تھی کہ "لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ ... وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ ... وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا" صرف یہی نہیں کہ نماز ادا کرنے کے لیے پورب پچھم منہ پھیر لینا کافی ہے بلکہ اسلام کا مدار تو خدا سے اور اُس کے رسول سے سچی محبت پر ہے، اور اس بات پر کہ غربا و مساکین اور اپنے اعزہ و اقارب کی مدد کی جائے اور جو وعدہ کیا جائے پورا بھی کیا جائے۔ پھر اگر مذہبِ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں تھا تو اُس کی وجہ یہی ہے کہ وہ تو صرف ازمنۂ سابقہ کی سوئی ہوئی اخلاقی حالت کی بیداری تھا، وہ یہ بتانے آیا تھا کہ اگر ادیان باستثنیٰ راست و صحیح تھے تو اُن کے احکام واجب التعظیم بھی تھے، وہ صرف یہ کہنے آیا تھا کہ اگر دوا اور دو ملکر چار ہوتے ہیں تو وہ

اور دو کو پانچ سمجھنا کھلی ہوئی غلطی ہے، اُس نے تمام ملل پر غور کیا، اُن کی تنقید کی، اور اُن سب کو ایک ایک کرکے پیش کر دیا۔ تاکہ کسی کو اُس سے اختلاف نہ ہو سکے۔ پھر غور کرو، اور زندگی کے دونوں پہلوؤں میں سے ہر ہر شعبے کو الگ الگ کرو، اور دیکھو کہ مذہبِ اسلام کیا کہتا ہے؟ اُس نے جہاں روحانی مذاق پیش کیا، وہ ایسا پاکیزہ و اعلیٰ کہ اُس سے قبل کسی مذہب نے پیش نہیں کیا تھا، اور جہاں مادّی حالت کے متعلق اصلاح و مشورے دیے وہ ایسے مفید اور قیمتی کہ آج ساری متمدن و مہذب دُنیا اُن سے باہر نکلکر کام کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ پھر جب دُنیا میں اُسوقت جبکہ دُنیا کو سخت ضرورت تھی، دُنیا کی اصلاح تمام کرنے والا پیغمبر مبعوث ہوا، اور اُسنے وہ صحیفۂ مقدس پیش کیا جس کے لیے اقتضائے فطرت بے چین تھا تو کیا وجہ ہے کہ ہم ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات پر غور نہ کریں کہ اُس قوم کا، جو اُسی صحیفہ کی حامل تھی، یوں تباہ و برباد ہونا کہیں اُسی مذہب سے تو تعلق نہیں رکھتا؟ کوئی وجہ نہیں، اس لیے ہم غور کرتے ہیں، بعد شاید اس سے زیادہ نتیجہ کبھی نہیں نکال سکتے، کہ صرف مذہب سے روگردانی، تعلیماتِ اسلام سے انحراف ہے۔ تمام مصائب کی جو وجہ علت ہے اگر یہ کوئی نتیجہ نہیں، یہ کوئی نیا وعظ نہیں، مسلمان خود محسوس کرتے ہیں اور دل سے یقین کرتے ہیں کہ ساری پریشانیاں خود اپنے ہی ہاتھوں ہم پر پہنچائی گئی ہیں لیکن کیسا افسوسناک منظر ہے کہ ایک پیاسا مر رہا ہے، اور وہ اُس پانی سے پیاس بجھا کر اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا، جو اُس کے قریب ہی جاری ہے، اور کیسی المناک صورتِ حال ہے کہ کلامِ مجید ہمارے اندر موجود ہے اور ہم کبھی تدبر و تفکر سے کام نہیں لیتے جبکہ اغیار اُس کی نسبت یہ رائے رکھتے ہیں کہ:

"اگر وہ (قرآن) شعر نہیں ہے، اور یہ کہہ سکنا مشکل ہے کہ وہ شعر ہے یا نہیں، تو وہ شعر سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ نہ وہ تاریخ ہے نہ سوانح عمری۔ وہ دو انجیل کے ایک حصہ پہاڑی وعظ کی طرح مجموعۂ اشعار بھی نہیں ہے، نہ بدھ کے صحائف کی مانند مابعد الطبیعات ہے۔ نہ افلاطون کی مجالس عقلا کے مثل فن پند و موعظت ہے، وہ ایک پیغمبر کی آواز ہے جو گو اوّل سے لیکر آخر تک سامی ہے، تاہم اس کے معانی ایسے عام اور ایسے مناسبِ وقت ہیں کہ زمانہ کی تمام آوازیں طوعاً و کرہاً اُن کی متحمل ہو جاتی ہیں۔ اس کی آواز بازگشت محلّوں اور ریگستانوں پر، شہروں اور سلطنتوں پر یکساں گونجتی ہے، جو اوّل تو اپنے انتخاب کردہ قلوب کو فتحِ عالم پر آمادہ و مستعد کر دیتی ہے، اور اس کے بعد اپنے آپ کو ایک مسلح قوت کی شکل میں یوں مجتمع کرتی ہے کہ یونان و ایشیا کے ساری موحد روشنی عیسائی یوروپ کے گرانبار دشت میں اُسوقت نفوذ کرتی ہے جبکہ عیسویت محض شبہائے تاریک کی طرح تھی۔

فاروقی کارنامے

(از جناب مولوی محمد شفیع الدین خاں صاحب نگرامی)

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ۔ از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

ساڑھے بارہ سو برس کا زمانہ گزرا کہ عرب کے ویران مُلک میں جو جہالت کا مخزن تھا خطّاب[1] کے گھر ایک ماہِ سعادت کا طلوع ہوا، اُسوقت کون جانتا تھا کہ یہ بچہ جس کو آج عمرؓ کے نام سے یاد کیا جا رہا ہے ایک وقت میں جاکر امیر المؤمنین اور فاروقِ اعظم ہوگا جس کے نام سے قیاصرۂ روم اور شاہانِ ایران لرز جائیں گے۔ دُنیائے اسلام میں بہار آجائے گی، وہ فتوحات میں سکندر، دانش میں ارسطو، اعجاز میں مسیحؑ، جبروت

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کا اسم گرامی تھا۔

ہی مسلمان ہو گا، ہر قسم کے ملکی و ملی انتظامات اُسکی تدبیر سے درست ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ہر قسم کی جہالت سے آراستہ تھی آپ کا زمانہ چالیس سال تک مختلف اُموریں گذرا، حکومت و سلطنت کا تو خواب بھی نہیں دیکھا، لیکن جب نظام خلافت کی جانب توجہ فرمائی تو دُنیا نے معلوم کا کوئی حصہ نہ تھا جہاں آپ کا شہرہ نہ پہونچ چکا ہو ؎

لیس للہ بمستنکر ✦ ان یجمع العالم فی واحد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ممالک مقبوضہ کا کل رقبہ بائیس لاکھ اکیاون ہزار تیس مربع میل تھا، اُسکی تفصیل یہ ہے، مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ میل صرف جدہ و زیر حکومت تھا۔ اس میں شام مصر، عراق، جزیرہ (الجزائر یا الجیریا)، خوزستان، عراق عجم، آرمینیہ آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان، مکران (جس کا حصہ بلوچستان) شامل تھے، یہ کل فتوحات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دس سالہ محنت کا نتیجہ تھیں۔

ہمنے مختصر طور پر بتلا دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات کس قدر تھیں اور وہ ابتدا میں کیا تھے۔ ہمنے یہ بیان کیا ہے کہ کل فتوحات دس برس میں ہوئیں، اب سمجھنا چاہیئے کہ اتنی تھوڑی مدت میں اسقدر عظیم الشان فتوحات ایسی ذات کو کیسے حاصل ہو گئیں، جو نہ بادشاہ تھا اور نہ کشور کشا!

یہ مسلم بات ہے کہ ظلم و ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے، ظلم کی بنیاد کبھی مضبوط نہیں ہوتی، جھوٹ ہر حالت میں جھوٹ ہے، سکندر و چنگیز بہت بڑے فاتح تھے، اُنکی سلطنت کا ڈانڈا مشرق سے لیکر مغرب تک ملا ہوا تھا، لیکن کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ ان دونوں عظیم الشان فاتحین نے قہر، ظلم اور قتل عام سے بھی پرہیز کیا ہو۔ روما کے قیاصرہ، شاہان ایران بہت بڑے حاکم تھے، لیکن ظلم و جبر میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے موجودہ زمانہ کو دیکھو فرانس[1] نے الجزائر پر قبضہ کیا، تو یورپ کے مورخین و اہل قلم بزرگوں نے اُس کے اس فعل کو مستحسن جانا، اور اپنے جھوٹ سے فرانسیسی ظلم کو بالکل دبا دیا۔

سلاطین مغلیہ (ہند) کے کارناموں پر کاذب اور ناانصاف یوروپین مورخوں نے ایسا بدنما لیپ چڑھایا ہے جس کا حکّ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات میں کبھی سر مو قانون انصاف سے تجاوز نہیں ہوا۔ آدمیوں کا قتل عام ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی، بچوں اور بوڑھوں تک سے کچھ تعرض نہ کیا جاتا تھا، بجز میدان معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہ کیا جا سکتا تھا، دشمن سے کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جاتی تھی، افسروں کو تاکیدی احکام جاتے تھے۔

فان قاتلوکم فلا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا، دشمن تم کو لڑائی کریں تو اُن سے فریب مت کرو، کسی کے ناک کان نہ کاٹو، کسی بچہ کو قتل نہ کرو، جو لوگ صلح ہو کر باغی ہو جاتے تھے اُن سے دوبارہ اقرار لیکر درگذر کی جاتی تھی، جب عرب سوس والے تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلاوطن کر دیا لیکن اس کے ساتھ ہی اُن کی کل جائداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی، خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں نکالا تو ان کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دیدیا، اور حکام اضلاع کو احکام بھیجے کہ جدھر سے اُن لوگوں کا گذر ہو ہر طرح کی اعانت کی جائے۔[2]

جو لوگ فتوحات فاروقی کی وسعت پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان سے بھی بڑھکر فاتح ہوئے ہیں، اور اُنھوں نے بیسیوں ملک فتح کیے، یہ تو سچ ہے لیکن کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ اس انصاف کے ساتھ کسی نے بھی فتوحات کے میدان میں قدم رکھا ہے؟ دُنیا کے بڑے بڑے جنرل سکندر، چنگیز خان، نپولین بونا پارٹ، تیمور وغیرہ اپنی فوجوں کے

[1] الفاروق (ملخص) [2] کتاب الخراج۔

ساتھ ہوتے تھے اور لڑاتے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی خود سپہ سالاری نہیں کی بلکہ اُن کے مقرر کردہ افسروں کی ہدایات کی بموجب کام کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نگرانی کرتے رہتے تھے، کہ فلاں کام ٹھیک ہوا یا نہیں، خلافت ایک مشین تھی اور اُس کی کل پرزہ حضرت کے دست مبارک میں تھے، جب مناسب سمجھا کوئی پرزہ نکال دیا اور بجائے اُس کے دوسرا ڈال دیا، دیکھو جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کیا ہے تو ایک معمولی واقعہ لوگوں نے خیال کیکے اسپر دھیان بھی نہیں دیا۔ اگر آج کسی سلطنت کے قابو یافتہ جنرل کو معزول کر دیا جائے تو پھر دیکھئے کیا شورش ہوتی ہے۔ یہ اسلام کی تعلیم تھی اور اُس زمانہ کے مسلمان جو صحیح معنوں میں مسلمان تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت اور حکم کو سمجھتے تھے۔ وائے بر حال ہمارے ؎

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ ✦ ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

الٰہ العالمین بتصدق جناب رسالت مآب صلعم ہمیں سچا مسلمان اور انسان کامل بنا اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنا سکھلا۔۔۔۔ آمین

نفس

(از جناب مولوی نصرت[illegible] صاحب چرتھاولی)

اے حجرہ نشین مرتاض! دنیائے ناپاک اور خود غرض دنیا سے منہ پھیر کر بیزار ہو کر، نفرت کیکر الگ ہو جانے والے عزلت گزین مرتاض، خلوت پسند کرنے والے تارک الدنیا، درویش! اے اللہ والے، اور اچھی طرح سے لے، اس مغرور نفس سرکش اور خود سر نفس، بیہودہ دون، خبیث باطن گناہوں کی پوٹ، اور معصیت کے مجسمہ نفس کی خبر لے، سنانے، رات کے تاریک دائمی اور خاموش سناٹے میں زور دار استغفار کے عظیم الشان نعرہ سے، لاحول کی تلوار کبھی نہ خطا ہونے والی چوٹ کا شیطان کش تلوار سے لے، اس موذی کی خبر لے، ریاضت کرنے والے قدوسی سالک! اپنے مولا کی رضا میں حقیقی راہ مستقیم کی کھوج میں مرنے والے فضیلت انتساب! الگ نفس امارہ کو، روح کو گھٹانے اور مضمحل کر دینے والے، شیطنت کو فروغ اور ممنوعات شرعی کو نشوونما دینے والے نفس امارہ کو، مار۔ اس کا سر کچل، منہ توڑ۔ اور اس کی خواہشات کو گھٹا دے گھٹا دے، اور کم کر دے، عشق حقیقی کی چنگاری نے خس و خاشاک عمر کو پھونک۔ بے لطف نفسانی اور تمنائے شیطانی کو دل سے نکال۔ دنیا کمانے اور اہل دنیا سے امید بہتری کی رکھنے کی تمنا، ناپاک اور غارت گر دین و ایمان تمنا ہے۔ ہاں آبشار عرفان کے نوش گوار جام کو حیات جاوید بخشنے والے مقصود حقیقی تک پہنچانے والے، اور رازہائے باطنیہ کے پر اسرار اور مزیدار حالات کا انکشاف کرنے والے روح افزا اور جان پرور جام کو پی۔ لگا۔ ہونٹوں سے لگا اور مدہوش ہو، دم نہ لے تا دم اسکے علاوہ دم مے۔ ہر سانس میں ذکر ھو کرنے والے تتش، دل میں اسی کی یاد رکھ، اور غیر خدا کی پرستاری اور اُسکے چھینے والا وہم سے، دل کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ کر، بت کو، مجاہدہ کر، پھر بعد جمال الٰہی کا مشاہدہ اور پرتو جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ کر۔

مذاکرۂ علمیہ

اعتزال

(حضرت نیاز فتحپوری)

آج کل مسلمانوں میں جہاں اور بہت سی اعتقادی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں وہاں معلومات کی خامیاں بھی بہت ہیں، اور غالباً یہ کہنا نادرست نہ ہوگا کہ معلومات کی کمی بڑا سبب اُن اعتقادی کمزوریوں کا ہے، بہت سے الفاظ ہم ایسے بولتے ہیں، جن کا مفہوم ہم اپنے پندار میں صحیح سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مفہوم بالکل غلط ہے، اور اس لیے اُس مفہوم کے لحاظ سے جو نتائج ہم نے نکالے ہیں، وہ بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ ہمارے اذہان ایک اضطراری صورت میں اُس لفظ کے نکلتے ہی متأثر ہو جاتے ہیں اور ہم اُس تاثر کی وجہ سے جس کی علت ہی شروع سے بالکل بے بنیاد ہے، بعض دفعہ ایسی غلطی کر بیٹھتے ہیں، جو ہرگز ہمارے شایان نہیں ہے، اور غالباً ہم اُسے نہ کرتے اگر ہماری معلومات وسیع ہوتی۔ آجکل جبکہ مذہبی اعتقادات نے کچھ عجیب و غریب صورت اختیار کر لی ہے، اور مذہب کو خدا معلوم کیا سمجھ رکھا ہے، بہت ضرورت اس امر کی ہے کہ بعض ایسے اُمور پر روشنی ڈالی جائے، جن کی وہ غلط فہمی دور ہو، اور عام پبلک اس بات کے سمجھنے کا شعور پیدا کرے کہ جو کچھ منہ سے کہا جائے، پہلے اُس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ مسلمانوں کے اس طبقہ میں جو معمولی پڑھا لکھا ہو غالباً کوئی فرد ایسا نہیں جو الفاظ اعتزال و معتزلی سے واقف نہ ہو، لیکن اگر کسی سے سوال کیجیے کہ اعتزال کیا ہے اور معتزلی کسے کہتے ہیں تو وہ سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکیگا کہ اعتزال دہریت کو کہتے ہیں۔ اور معتزلی دہریہ کو، پھر دہریت و دہریہ کی نسبت پوچھئے تو وہ مجبوراً نہایت صاف الفاظ میں کہہ دیگا کہ بے دین آدمیوں کا ذکر کرتے ہو۔ ہو سکتا ہے اس نشتر کرنے سے یہ نتیجہ نکلا کہ معتزلی اُس کے پندار میں بے دین ہے، اور اسلام سے خارج، لیکن اگر اُس شخص کو کسی طرح یقین دلا دیا جائے کہ جو کچھ وہ سمجھا ہے صحیح نہیں ہے۔ یا کسی معتزلی کو اسلام سے خارج کر دینا نادرست ہے تو اُسکو اپنے علم و یقین میں کس قدر تعجب ہونا پڑے گا، لہذا آج کی اشاعت میں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ اعتزال کسے کہتے ہیں اور معتزلی کس چیز کا نام ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اعتزال کی بنیاد صحابۂ کرام کے اخیر زمانہ میں پڑی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابتدائے اسلام ہی سے اس کے آثار نمایاں ہو چلے تھے۔ جس کی تصریح آگے آئے گی۔ اُس وقت تک کہ آنحضرت کی ذات مقدس اس عالم میں رہی، مذہب نہایت اجمالی اور سادہ حالت میں رہا۔ عقاید کی تنہا تعلیم محض توحید کا پڑھا دینا تھا اور اعمال کی نسبت ذاتی نمونہ سے آگاہ کر دینا بس کرتا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس عہد مبارک میں جبکہ مبلغ حقیقی موجود تھا۔ اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہ تھی اور نہ خلایق کی وسعت نے اسلام کو مجبور کیا تھا کہ وہ اس سے زیادہ مذہب کی نسبت کچھ بدلنے یا جاننے کی کوشش کرے۔ آنحضرت کے بعد جب اسلام کا دوسرا دور شروع ہوا اُس وقت بھی معمرونیت کا وہی عالم تھا کیونکہ قدم فارس کے معرکے پیش نظر تھے، اور کوئی صورت نہ تھی کہ فرزندان عرب کے دماغی انہماک کا رجحان کسی دوسری طرف ہوتا، لیکن جب اسلام نے زیادہ وسعت اختیار کی اور دوسری قومیں اسمیں آ آ کر شامل ہونے لگیں تو وہ زمانہ آیا، جب اعتقادات و اعمال کے متعلق نسبتاً کچھ زیادہ غور و تحقیق کی ضرورت پڑی۔ اور یہی وہ ضرورت تھی جسنے ابتدائی تعلیم کی وہ سادگی چھین لی۔ اور مذہب میں عقل کا دخل شروع ہوا۔ چنانچہ صحابہؓ کے زمانہ تک عقائد میں جو اختلافات ہوئے اُن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) اکثر صحابہ معراج جسمانی کے قایل تھے۔ حضرت عایشہؓ کو اس سے انکار تھا۔

(۲) عبداللہ بن عباس کو یقین تھا کہ رسول اللہ نے خدا کو دیکھا۔ حضرت عایشہؓ کا عقیدہ اسکے خلاف تھا۔

(۳) ابوہریرہؓ اس بات کے قایل تھے کہ رونے پیٹنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے حضرت عایشہ رضؓ مخالف تھیں۔

(۴) عبداللہ بن عمر سماع موتٰی کے قایل تھے (یعنی اس بات کے کہ مردہ سنتا ہے) اور بعض صحابہ اس کے خلاف تھے۔

اور پھر عقاید میں ہی نہیں۔ اعمال میں بھی اختلاف پیدا ہوا، چنانچہ وضو اور مسایل وضو میں مختلف صحابہ کے مختلف اقوال تھے۔ مگر ان جزئی اختلافات سے کوئی ایسی تفریق نہیں کی تھی جس سے یہ حکم لگایا جاتا کہ مذہب کے دو یا زاید فرقے ہو گئے ہیں۔ سب مسلمان تھے اور مسلمان ہی کہلاتے تھے۔

اب حضرت علی رضؓ کا آخر زمانہ آیا (شاید ۳۷ھ ہجری) جب انھوں نے حکم کے فیصلے سے اتفاق کر کے امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ لیکن خود انھیں کے بہت سے ساتھیوں نے اس صلح سے روگردانی اختیار کی۔ نہ صرف یہ کہ لاحکم الا اللہ حق و باطل کی تمیز میں ثالث کا فیصلہ کیا؟ چونکہ انھوں نے جمہور مسلمانان سے انحراف کیا۔ اسلیے یہ لوگ حضرت علی رضؓ کے دایرہ سے خارج کیے گئے۔ اور اسطرح اسلام میں اول اول دو فرقے پیدا ہو گئے۔ یعنی وہ لوگ جو حضرت علی سے علیحدہ ہو گئے خارجی کہے گئے اور وہ جو ان کے ساتھ رہے شیعہ بن گئے۔ اور حقیقتاً یہ وہ تفریق تھی جسکے اندر بالکل پالٹکس کام کر رہی تھی۔

اسکے بعد بنو امیہ کا زمانہ شروع ہوا۔ اور وہ وقت آیا جب مذہب کی آڑ میں حکمرانی کی ہوسیں پوری کی گئیں۔ اور استحکام سلطنت کے لیے سخت خونریزیاں اسفاکیاں ہونے لگیں۔ ہرچند عرب میں وہ آزادی تو باقی نہیں رہی تھی جو رسول اللہؐ اور صحابۂ کبار کے زمانہ میں تھی۔ تاہم اس قدر جرأت تھی کہ وہ افسران سلطنت سے کبھی کبھی سوال کیتے تھے کہ تم مسلمان ہو کر کیونکر یہ خونریزیاں روا رکھتے ہو، وہ جب پر انھیں یہ جواب ملتا تھا کہ ہم کچھ نہیں کرتے ہیں، جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے؟ چنانچہ انھیں سوال کرنے والوں میں ایک شخص معبد جہنی بھی تھا، وہ حسن بصری کی خدمت میں گیا اور اس مسئلہ کی نسبت کہ کیا یہ القدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالٰی کا یہی مطلب ہے۔ اُن کی رائے دریافت کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ کذب اعداء اللہ دشمنانِ خدا کے دشمن جھوٹے ہیں، یہی اعتزال کی اصلی بنیاد۔ اور یہ تھا اسکا مختصر سا خاکہ جس نے آگے چلکر دنیا میں بڑا اثر پیدا کیا۔ اور ایک مستقل جدا مسلک ہو گیا۔ (باقی آیندہ)

اس مضمون کی نسبت جب تک یہ ختم نہ ہو جائے کوئی رائے زنی نہ کیجائے۔

ایڈیٹر

معدوم ہو جائے تو تصادم موقوف ہو جائے جو تمام نشو و ارتقا کا علت اولیٰ ہے۔
بہر حال سیاسی حس فطری ہے مگر اسی عدم توازن کے ساتھ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ وہ لوگ جن کے لیے فطرت اس عطیہ میں زیادہ فیاض ہوئی ہے انکو اسبات کی بھی ایسی زیادہ ضرورت نہیں ہے کہ وہ باقاعدہ تعلیم اس کی حاصل کریں؛ اور وہ لوگ جن میں یہ حس ضعیف ہے اُن کو بیشک تعلیم کی ضرورت ہے۔ بعض بعض ایسے جاہل نظر آتے ہیں جو کسی اعتبار سے صحبت کے قابل نہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں ہر فن میں درخور حاصل ہے اور بڑے بڑے لوگوں کو چند دنوں میں رام کر لینا انکا معمولی کام۔ ایک چور رات کو کسی مکان میں گھستا ہے۔ مالک مکان جاگ اُٹھتا ہے اور اس کی ٹانگ پکڑ لیتا ہے۔ چور ایک نہایت ہی دردمند آواز سے اچانک چیخ اُٹھتا ہے "چھوڑا ہے چھوڑ!" مالک مکان بے اختیار اس کی ٹانگ چھوڑ دیتا ہے اور چور بھاگ جاتا ہے۔ یہ کیا ہے سیاست و حکمت عملی ہے۔ غرضکہ دنیا میں جو ہستی ہے اُس کی ترقی و بقا کے لیے یہ حس بھی اس میں موجود ہے یہانتک کہ جانور بھی اس سے محروم نہیں۔ جو لوگ شکاری ہیں وہ واقف ہیں کہ چیتا ہرن کا شکار کس انداز سے کرتا ہے اور شکرا کس طرح ایک کبوتر کو اپنا لقمہ بناتا ہے مگر ہاں بات وہی ہے کہ اس کی اہمیت گھٹتی بڑھتی ہے۔ سردی میں موزہ کا استعمال مفید ہے اور اسی تحت میں داخل ہے؛ لیکن اکثر لوگ اس کا استعمال نہیں کرتے اس لیے کہ وہ اسقدر سردی کو برداشت کر سکتے ہیں۔ رات ہوتی ہے تو یہ استغنا باقی نہیں رہتا، لحاف، رضائی، چادر کی تلاش ہوتی ہے اور اگر ایسے مجبور ہوتے ہیں کہ یہ بھی نہیں تو آگ ہی جلا کے صبح کر دیجاتی ہے۔ ذات الجنب ہوجاتا ہے اور جان کا خطرہ ہوتا ہے تو غریب سے غریب بھی قرض دام کرکے خوشامد و لجاجت کرکے سو تدبیروں سے اپنا علاج کراتا ہے تاکہ اچھا ہو جائے۔ اسی طرح اور ترقی کیجیے اور دیکھیے کہ جن معاملات میں حیات شخصی سے زیادہ اہمیت ہے ان میں سیاست کی شدت کا بھی وہی عالم ہے۔ اور وہ جماعت کی ہستی ہے؛ وہ حیات قومیت ہے جس کی بقا کے لیے اول اول مذہب پیدا ہوا اور پھر اس نے لقائے حیات ملی کے اسباب فراہم کیے؛ ہزاروں آدمی میدان جنگ میں جا کر اپنی گردنیں کٹا دیتے ہیں لاکھوں نفوس جان بوجھ کر مصائب و آلام میں مبتلا ہو جاتے ہیں کتنے دولتمند غریب اور تباہ و برباد ہو جاتے ہیں کیوں؟ یہ اسی سیاست کی شدت کا نتیجہ ہے جس نے اب ایک مذہبی رنگ اختیار کر لیا ہے اور جس کی تکمیل ہمارا اہم ترین فرض ہے اس لیے اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اگر قومیت کا تعلق حکومت کے ساتھ ہے۔ اگر اس کی ترقی و بقا کا معاملہ سلطنت سے ہے تو اس میں کلام نہیں کہ لفظ سیاست کے ساتھ ہی حکومت کی تصویر کا آنکھوں میں پھر جانا لازم ہے بشرطیکہ پہلے ایسا تعلق مابین حکومت و قومیت ثابت ہو جائے۔ اب اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندی مسلمانوں کا من حیث القوم ایک نوع کا تعلق سلطنت سے ہے لیکن مجھے اس میں کلام ہے کہ وہ تعلق حیات ملی کے خلاف کوئی اثر ڈالنے والا ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ سلطنت اس طرح سے قومیت کو متاثر کرنا چاہتی ہے؛ تو کیا سیاست اس امر کی مقتضی ہے کہ ہم اور زیادہ فنا کی طرف جلد جلد قدم اُٹھانے لگیں کیونکہ وہی اصول تصادم و تضارب ہمارے وزن کو خفیف سمجھ کر اسکے لقمہ بنانا چاہے تو پھر ہمارے لیے دو ہی صورتیں ہیں یا تو حکومت میں منجذب ہو جائیں یا پھر اپنا وزن اس قدر مکمل کریں کہ اس میں جذب نہ ہوسکیں۔ یہ تو کسی طرح ممکن نہیں کہ موجودہ وزن پر ہم اسکا مقابلہ کر سکیں۔ اور اس کی یہی تدبیر ہے کہ سب سے پہلے ہم اسباب پر غور کریں کہ قوت جاذبہ کیوں ترقی پر ہے اگر یہ ہماری سمجھ میں آگیا تو ہم آسانی کے ساتھ اپنی کمی کو پورا کر سکیں گے۔ پھر خود اپنے سے سوال کرو کہ سلطنت کس طرح حاصل کی گئی ایک فریق حاکم کیونکر بن گیا۔ جواب نہایت آسان ہے کہ علم و اخلاق کی برتری سے پھر کیا ہمارے لیے سیاست کا اولین درس یہ ہونا چاہیے کہ ہم کو بھی اپنی علمی و اخلاقی سطح فریق مقابل کے برابر بلند کرنا چاہیے؟ اور اگر موجودہ سیاست دانی یہ نہیں بتاتی۔ اگر وہ صرف کینہ و حسد پیدا کرنا جانتی ہے تو ہم نہیں سمجھے کہ کیوں ہم اُس بچہ کی سیاست دانی کے قائل ہوں جس کے ہات سے بندر روٹی چھین لیجاتا ہے اور وہ صرف رونے اور گالیاں دینے پر قناعت کر لیتا ہے۔
اس میں کلام نہیں کہ اصطلاحی معنی میں علم سیاست بڑا مشکل علم ہے یہانتک کہ سارے ہندوستان میں صرف ایک فادی اس کے جاننے والے ہیں اور وہ بھی ہم میں نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری ساری سیاست دانی تو ہمارا مذہب ہے۔ اگر ہم اس کے احکام پر عامل رہتے اور تمام شعائر اسلام کی توقیر و عزت کے ساتھ پابندی کرتے تو یہ زمانہ کبھی نہ آتا۔ لیکن اب بھی جبکہ کچھ نہیں رہا دوبارہ حاصل کرنے کا یہی وہی ایک طریقہ ہے۔ خالی نماز روزہ اور تسبیح خوانی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ مذہب دوسری چیز ہے جس پر کبھی آئندہ بحث کیجائے گی لیکن فی الحال سمجھنے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ مذہب کا درس اولین قومیت کی روح پھونکنا تھا اور پھر اس روح میں یہ حس پیدا کرنا کہ علو و ارتقا ایک حد نامعلوم؛ ایک زمانہ غیر متناہی تک غایت حقیقی ہے۔ پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ بغیر تعلیم کے یہ ممکن ہے اگر نہیں کہہ سکتا تو کیا وجہ ہے کہ زمانہ موجودہ میں اور ہمیشہ ہماری سیاست کا نقطۂ خیال تعلیم نہ ہو۔

تلوار رکھنے کے بعد

(حصہ اول)

(سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب)

وہ وقت قریب ہے کہ برٹش سرکار حریف کے خون سے بھری ہوئی تلوار میان میں داخل کرکے اپنے جان نثاروں کو تقسیم انعام کے لیے آواز دے۔
ہندوستان عالم تصور و تخیل میں ابھی سے اس وقت کی تصویریں بنا رہا ہے ملک کے ہر طبقہ میں مختلف توقعات کی نگاہوں سے اس خوش آئند مستقبل کو دیکھا جا رہا ہے اور ہر شخص اپنی حیثیت اور بساط کے موافق رائے زنی کر رہا ہے کہ وقت کامگاری قریب آیا ان امیدوں میں جن ارواح نے جنبش پیدا کی ہے وہ انگلستان کے سیاسی مدبرین کے کنایات ہیں جو بری اشاروں میں ہم تک پہنچے ہیں۔
ہم نے اور ہمارے ملک غمخوار لارڈ ہارڈنگ ام اقبالہ نے ہندوستان کی وفاشعاری کا جن جانفشانیوں سے تحفظ کیا ہے اور جس عالمگیر یکدلی کا دلکش نمونہ دکھایا ہے اور جیسے نازک میدان میں ثابت قدمی نمایاں کی ہے وہ ہر انگریز کی زبان سے مرحبا و آفرین ہی نہیں کہواتی بلکہ اس کے دل کو ایک

دشمن اور باغمار مہربانی کے لیے مجبور کرتی ہے۔

پس جنگ ختم ہوتے ہی اس نتیجہ کا ظاہر ہونا لازمی ہے کہ ہندوستان کو ایک غیر معمولی بلکہ محال چیز عطا کی جائے۔ وہ چیز جو اس خونریزی سے چند روز پہلے قطعاً ناممکن سمجھی جاتی تھی۔ اور اسکے طلبگاروں کو مایوس کن جواب دیے جاتے تھے۔

وہ چیز کیا تھی اسکے جواب کی حس رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسکو سلف گورنمنٹ یا حکومت خود اختیاری۔

سلف گورنمنٹ

کہتے ہیں۔ ہندو کانگرس اور مسلم لیگ نے جسکو اپنا مقصود قرار دیا ہے۔ ملک کے تعلیم یافتہ گروہ میں جس کی یاد بے قراریاں پیدا کر رہی ہے۔ اور جس کی خاطر بہت کچھ کہا جا رہا اور تحریروں میں آ رہا ہے۔

جب تک یہ مسئلہ محض بحث کی صورت محض عقاید کے آئینوں میں جلوہ گر ہوتی تھی ہم چپ تھے۔ جب تک یہ پری تو ہم کے کوہ قاف سے نیچے نہ اتری تھی ہم کو اس کے حسن پر بحث کرنے کی ضرورت معلوم نہ ہوئی تھی مگر اب تو وقت آگیا ہے کہ ملک کے سود و بہبود کے واسطے قلم اٹھایا جائے۔ کیونکہ لیلیٰ کا محمل قریب پہنچ گیا۔ جرس کی صدائیں کان صاف سن رہے ہیں۔

سوراج و سلف گورنمنٹ کی نسبت اس زمانہ میں بھی جبکہ اسکے آس پاس اوصاف عجیبہ کا ہجوم نظر آتا تھا ہماری یہی رائے تھی کہ یہ باوجود اپنی بے شمار خوبیوں کے مذہب اور تمدن مشرق کے لیے بلائے بے درمان ہوگی۔ کیونکہ تعلیم جدید سے ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو حکومت خود اختیاری کا بار اٹھا لیں۔ اور اسکو عمدگی سے چلا لیں۔ مگر مذہبی جماعتوں میں ہنوز یہ صلاحیت نہیں ہوئی جو وہ ناواقف خود مختار ہندی حکمرانوں سے اپنے عقاید و مراسم دین کو محفوظ رکھ سکیں۔ اور اب تو دنیا کے انقلابات کا رنگ دیکھکر اور جمہوری امید کے چند مند نقائص پر نظر کر کے ہمارا وہ خیال پوری طرح راسخ اور پختہ ہوگیا ہے کہ ہندوستان کو

ہرگز سلف گورنمنٹ نہ دیجائے

ہمارے سامنے چند ذی فہم آدمی ہیں جو اس خیال پر چراغ پا ہو جائیں گے اور ان کو اپنی مسلمانوں کی آزادی کے لیے یہ ایک اچھا سیاسی حل بیچ جائے گا لیکن حق ان حرف بالانشا نون سے دبنے والا نہیں ہے۔ انکا دلیلوں اور عقل شکن حقیقتوں سے مقابلہ کیا جائے گا۔ اور اسکے بعد ہمیں یہ ظاہر کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے کہ ہر گن اور کا ہر طاقت سے بزور کامیابی ہوگی اور سلف گورنمنٹ کے نفاذ کو روکا جائے گا۔

دنیا کی نظروں نے آئرلینڈ کے خونی منظر کو فراموش نہیں کیا وہی سوال اس ملک میں پیش ہونے والا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ابھی سے اسکے انجام کار پر غور و خوض کریں۔ اور مشکل پیش آنے سے پہلے اسکا حل سوچ لیں۔

اس مضمون کو کئی حصوں میں جداگانہ حیثیت سے معرض بحث میں لایا جائے گا۔ یہ حصہ صرف تمہید کا ہے جسمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ سلف گورنمنٹ کا خیال ہندوستان کے لیے خطرناک خیال ہے۔ اور اسکی تہ میں ایسی شر انگیز چنگاریاں چھپی ہوئی ہیں جو ایک وقت میں امن و امان کے لیے سبب آتش زندگی کا سامان ہو جائیں گی۔

مشرق و مغرب میں قدرت نے جو فرق و تفاوت پیدا کیا ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔ اہل مشرق نے مغرب کی حرص کر کے جمہوری حکومتیں بنائیں مگر انہیں کیا حاصل ہوا اب تک اسکا کوئی بہتر جواب ایران ترکی اور چین نے نہیں دیا۔ اور نہ توقع ہے کہ وہ سطح مشابہات پر کوئی خوش منظر مثال لا سکیں۔

مشرق ہی پر کیا منحصر ہے۔ مغرب میں امریکہ اور فرانس نے جرمن کے شخصی مقتدر بادشاہ قیصر کا سا قوت و اقتدار ہرگز نہیں دکھایا جس کے گرد کروڑوں روحیں گردش کرتی ہوں۔ وہ دولت و حرفت میں بڑھ گئے ہیں۔ مگر جس چیز سے دولت و حرمت کی حفاظت ہوتی ہے۔ وہ ان کو اس جمہوریت سے حاصل نہیں ہوئی۔

پس ہندوستان کی بڑی بے عقلی ہوگی جو وہ برٹش سرکار سے سلف گورنمنٹ لے۔ اسکو ایسی شے لینی چاہیے جو بکار آمد ہو اور جس سے اس کے مذہب۔ تمدن۔ دولت و شجاعت میں فرق نہ آئے۔ اور وہ تعلیم کی آزادی ہے اگر ذریعہ سے ہم کو ان کی فیاضی کی تقسیم کے وقت یہی کہنا چاہیے کہ وہ ہندو مسلمانوں کو آنا و یونیورسٹیاں دیں۔ اور دلی ہمدردی سے ان دونوں کا ہاتھ بٹائیں۔ تاکہ ہندو مسلمان اپنی تعلیمی ترقیوں کو مذہب و تمدن مشرقی کے تحت میں منتہائے مقصود پر پہنچا دیں۔

نیز انگلستان کے شاہی خاندان میں سے ایک شہزادہ یہاں کا مستقل بادشاہ بنا دیا جائے۔ جسکا تعلق انگلستان سے صرف مربیانہ ہو۔ اسکا جینا مرنا ہمارے ساتھ ہو۔ وہ ہمارا ہو ہم اوسکے ہوں۔ اور جس کی نسبت ہم کو یقین ہو کہ وہ ہمارے ہی جسم کا ایک عضو ہے۔

اس بادشاہ کے اختیارات شخصی ہوں۔ اور اسکے وزراء ہندوستانی ہوں حکومت میں رفتہ رفتہ تمام عہدہ دار ہندوستانی ہوتے جائیں۔

ہندو مسلمانوں کی جداگانہ مذہبی عدالتیں قائم کی جائیں۔ جو دینی امور کی نگہداشت کریں۔ ان عدالتوں کو دنیاوی عدالتوں سے کچھ سروکار نہ ہو اور نہ دنیاوی عدالتوں کو ان سے کچھ واسطہ رہے۔

باقی حصوں میں انشاء اللہ تعالیٰ اس مجمل تمہید کی شرح و تفصیل بیان کی جائیگی ✦

جنگ کی نسبت کیا کسی تبصرہ عمومی کی ضرورت ہے؟

یہ ہماری سستی تھی کہ ہم پہلے ہی ہفتہ میں موجودہ کارزار عالمگیر کی نسبت کچھ تفصیل سے نہ لکھ سکے۔ اور ایک عام تبصرہ کی صورت میں واقعات پر نظر ڈالکر احتیاط سے کام لے کے کچھ نتائج اخذ کر کے اور پبلک کے سامنے انہیں ایسے الفاظ میں پیش کرتے جو عام طور سے کم کل پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا۔ اور غالباً اب بھی ہم اسکے لیے طیار نہیں ہیں کیونکہ اول تو اس قسم کے مباحث خطیب کے مقاصد و اغراض سے زاید ہیں اور دوسرے یہ کہ اس وقت تک جو معلومات جنگ کی نسبت پبلک کو حاصل ہو چکی ہے وہ کافی سے زیادہ ہے۔ علی الخصوص اس حالت میں جبکہ اس زمانہ کا بہترین نقاد و اعلیٰ درجہ کا تیج والے جنتہمیں ساخت کا بہا دو دماغ رکھنے والا بھی سمجھتے ہیں کہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ سے بجز شکست دایا فتح ؛ پس جب حالت یہ ہے کہ ہمارا سارا فتار ارا افکار

اس ظلمت آباد جنگ پر اس سے زیادہ کوئی روشنی نہیں ڈال سکتا۔ تو ہم نہیں سمجھتے کہ دنیا کے اس قہر کا مطالعہ کرنے کے لیے جس قہر کی مثال تاریخ کے بوسیدہ ترین اوراق بھی مشکل سے پیش کر سکتے ہیں۔ ہم کیوں بے قرار ہیں۔ اب سے نہیں ہمیشہ سے زمین کا دستور چلا آتا ہے کہ جب ایک مدت دراز صلح و امن کی اس پر گزر جاتی ہے تو اس کی تشنگی بڑھنے لگتی ہے۔ اور وہ اس خون کی طلبگار ہوتی ہے جو مخلوقات کی بہترین نوع میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ موجودہ جنگ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ زمین کی وہی پرانی رسم آج ادا ہو رہی ہے۔ اور بہ افراط و قدرت سے ادا ہو رہی ہے۔

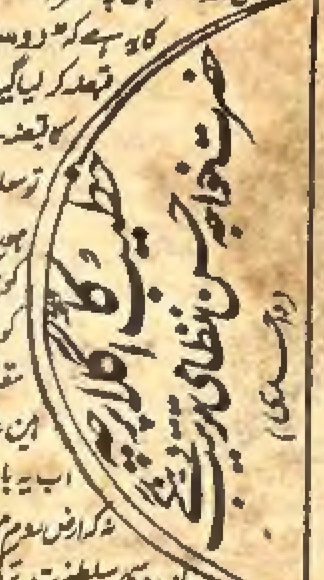
ہر چند فطرت انسانی ہے کہ وہ غیر معمولی واقعات عالم کو دیکھ کر بیتاب ہو جائے اور ابتدا کو دیکھ کر انتہا پر حکم لگانے کے لیے ضرورت سے زیادہ عجلت سے کام لے لیکن غالباً تجربہ نے بارہا یہ امر ثابت کر دیا ہے کہ ایسی کوششیں غیر مشکور ثابت ہوتی ہیں۔ اس لیے ہماری رائے میں ان لوگوں کے لیے جو اپنی زندگی نسبتاً امن و سکون کی حالت میں بسر کر رہے ہیں۔ یہ مناسب نہیں کہ وہ ان قیمتی لمحات طمانیت کو اس طرح بے کار اضطراب و اضطرار میں ضائع کریں۔ بلکہ ان کا فرض ہے کہ وہ اس زمانہ کی جس کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب تک رہیگا قدر کریں اور خاموشی و سکون سے نتیجہ کے منتظر رہیں۔

اگر جرمن نے بلجیم کی ضعیف سلطنت کو پامال کر دیا تو ہمیں بادی النظر میں اس سے کچھ نفع کی امید نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وہ گھٹتے گھٹتے کسی دن پھر اپنے حدود سلطنت میں ہو بیٹھیگا۔ تو ہمارے لیے ایسی زیادہ مسرت کی بات نہیں لیکن اس میں کلام نہیں کہ ہماری یہ بے تعلقی زیادہ پر لطف و تماشہ زا ہوتی۔ اگر دولت عثمانیہ کی آویزش ہمارے نگاہوں کے سامنے نہ ہوتی۔ چونکہ ترکی ایک اسلامی سلطنت ہے اس لیے فطرتاً ہر مسلمان کا تعلق اس کے فائدہ و نقصان سے ہے اور وہ لوگ جو اسکے اظہار کو بھی برا جانتے ہیں یقیناً وہ ایسے لوگ ہیں جن کے قلب و زبان میں باہم کسی نوع کا علاقہ نہیں ہے لیکن اسی کے ساتھ ہماری یہ ہمدردی صرف اسی قبیل سے ہے جسطرح خود ہم کوئی غلطی کریں اور اس غلطی سے نقصان اٹھائیں پر اظہار تاسف کریں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ٹرکی کا جرمن کے وعدہ حمایت و امداد پر ایسی جسارت کر بیٹھنا یقیناً کسی مصلحت کوشی کی بنا پر نہیں ہو سکتا۔ اور افسوس کرتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ ٹرکی کا اس قدر جلد (جبکہ ابھی حال میں ہی جنگ بلقان نے اس کی مالی حالت کو ایسا سخت صدمہ پہونچایا تھا) پھر دوسری جنگ کے لیے طیار ہو جانا کوئی فعل مستحسن نہیں۔ اور جی یہ چاہتا ہے کہ کاش وہ ایسا نہ کرتا۔ لیکن ہماری یہ تمنا میں بالکل ایسی ہی ہے کہ ہم چاہیں جسطرح کمان سے چھوٹے ہوئے تیر واپس کرنے کی کوشش۔ پھر ایسی حالت میں کیا ہمارے لیے یہ بہترین طریقہ عمل نہیں ہے کہ کسی قسم کی اظہار رائے نہ کریں اور ایک مکمل خاموشی اختیار کر لیں۔ جو ہماری بے تعلقی کا کھلا ہوا بیان ہو سکتی ہے۔ اگر ٹرکی نے غلطی کی ہے تو خدا کو اختیار ہے۔ وہ جو چاہے کرے ہمیں ضرورت نہیں کہ اس پردہ کو اٹھائیں جو خدا نے نہ معلوم کتنی مصلحتوں کی بنا پر واقعات کے سامنے ڈال رکھا ہے۔ اگر دنیا اب کے اس صدمے سے جانبر ہو گئی تو وہ دن بھی دور نہیں جب حقیقت بے نقاب ہوگی اور ملک عالم دیکھ لیگا کہ مصالح خداوندی کن انقلابات میں پنہاں تھے

چشم پوشیدہ و جہان آئینہ صافی گشت
صد آفاق غبارے ست چو گرد جہان برخاست

جنگ روس و ٹرکی کے متعلق نئی معلومات

روس و ٹرکی کے مابین حال ہی میں جو اہم ترین مقابلہ ہوا ہے وہ مقامات اردہان۔ ساری کمیش اور اردہان سے متعلق ہے۔ اور اس میں کلام نہیں کہ ۳۱ دسمبر کے بعد جو تار ساری کمیش کے اس جنگ کے متعلق آئے ہیں وہ ایک حد تک واقعات صحیحہ کی تلاش میں مدد دے سکتے ہیں۔ اس سے قبل مسلسل سکوت نے ہمیں اس بات کے سمجھنے کا بھی موقعہ نہیں دیا تھا کہ واقعی پوزیشن ٹرکی کی کیا ہے اور باطوم کا سیلاب فتوحات کہاں تک بڑھ گیا ہے۔ ۳۱ دسمبر کا تار جو پیٹروگراڈ سے آیا ہے ہمیں بتاتا ہے کہ "مقام ساری کمیش پر لڑائی ہو رہی ہے۔ اور ترک اردہان کی طرف بڑھ رہے ہیں" نیز ۲ جنوری کی خبر ہے کہ "روسیوں نے مدکولی ایک موضع پر جو ساری کمیش کے پاس ہے گولہ باری کی اور ترکوں نے مدافعت کی اور اردہان پر معرکہ کا بازار گرم ہے" اس کے بعد سب سے آخر تار ۵ جنوری کا ہے کہ "روسیوں کو اردہان پر فتح حاصل ہوئی اور اردہان پر قبضہ کر لیا گیا۔ حالانکہ ترک یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اردہان پر انہیں کا قبضہ ہے" اب ان خبروں کو پیش نظر رکھ کر آپ نقشہ پر نگاہ ڈالیے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر صورت میں (خواہ روس کامیاب ہوا ہو یا ترکی) جنگ کا موقعہ کہاں ہے۔ دیکھیے ٹرکی اور سلطنت روس کے درمیان حد فاصل کوہ قاف کا سلسلہ ہے اور اردہان و ساری کمیش دونوں مقام کوہ قاف سے اُس طرف مملکت روسیہ میں واقع ہیں جن کا فصل اس حد سے ۵۰ میل سے کم نہیں۔ پس اب یہ بات تو متحقق ہو گئی کہ لڑائی سرزمین روس میں ہو رہی ہے جو اراضی مقبوضہ روس ہیں۔ اور نیز یہ کہ ترک روس کے اندر گھس کر لڑ رہے ہیں اور روسی سلطنت ٹرکی سے بہت دور ہیں۔ رہا یہ امر کہ واقعی اردہان پر قبضہ روسیوں کا ہے یا ترکوں کا۔ اس کا صحیح علم ابھی نہیں۔ ممکن ہے کہ جس طرح ابتک زمانہ کے بعد صحیح نقشہ جنگ معلوم ہوا ہے کچھ دنوں بعد اس کی بھی تصدیق ہو جائے فی الحال مشرقی رزمگاہ کی نسبت اسی قدر علم کافی ہے ۔



آثار صلح اور شرائط کے متعلق جرمنی کا خواب

پاپائے روم نے قیصر ولیم کو تار دیا تھا کہ "آپکے سپاہی فیاضانہ جذبات سے پیش کیا جاتا ہے کہ کرسمس ہونا کہ جنگ کو ختم کیجیے۔ اسے سال کے آغاز میں اپنی شاہانہ فیاضی کو اس تجویز کے قبول کرنے پر آمادہ کیجیے کہ فریقین کے وہ قیدی جو بیکار ناقابل بیکار ہو گئے ہیں باہم تبدیل کر لیے جائیں" قیصر نے منظور کیا اب میں پاپائے روم کو یقین دلاتا ہے کہ اس تجویز کے ساتھ مجبوری ہمدردی ہے اور ایسی تحریک میری خوشی کے مطابق ہے۔ لیکن قیصر کے ایک ایجنٹ مسٹر امریکہ نے جو شرائط صلح جرمنی کی طرف سے مرتب کیے ہیں عجیب و غریب ہیں۔ اخبار ٹائمز پنڈنٹ انہیں شائع کرتا ہے۔ جن میں سے خاص خاص یہ ہیں کہ:

(۱) بلجیم جرمن سلطنت کا ایک حصہ ہے کیونکہ وہ جرمن کے ایک سب سے بڑے دریا کے دہانہ پر واقع ہے۔ یا ستدلال ایسا ہی ہے سو وہ تو اور بھی جرمن شہر ہے اوس کو جرمنی کے قبضہ سے خارج سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا۔ نیو آرلینز اور دریائے مسی سپی کے دہانہ کو متحدہ جرمن کو سیاستاً علیحدہ کر دینا۔ پھر علاوہ اوس کے بلجیم نے تو یہ مصیبت خود مول لی کہ وہ آخر کیوں انگلستان و فرانس کا ماتحت بنا ہوا تھا (۲) بلجیم کے سارے بندرگاہ برطانیہ و فرانس کے حملے روکنے کے لیے حاصل کرنا ضروری ہے۔

(۳) برطانیہ کا بحر شمالی کے متعلق یہ قول کہ سمندر اس کی سرحد ہے۔ اور دوسری طاقتوں کے حدود سے تین میل اندر تک اسکا علاقہ ہے ناقابل برداشت ہے اس لیے آئندہ انگلستان پر واقع ہونے والے ساحلوں کو ہمیشہ کے لیے غیر جانبدار ہونا چاہیے۔ تاکہ زمانہ جنگ میں تجارتی مال کی آمد و رفت کے حقوق محفوظ رہیں۔

(۴) چونکہ جرمن آبادی بڑھ رہی ہے۔ اسلیے تمام نو آبادیاں انکو واپس ملنی چاہییں۔

(۵) جرمنی کو ترکی کے ساتھ صنعتی و تجارتی تعلقات میں نشو و نما پیدا کرنے کا اختیار ہونا چاہیے یا بالفاظ دیگر یوں کہیے خلیج فارس سے لیکر دریائے نیل تک جرمنی کا اثر تسلیم کیا جائے۔

(۶) جرمنی یا جرمن حامیان زیادہ رسوخ نہ پیدا کرے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی اشاعات سے جرمن کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے سوا آرزوؤں سے بھرا ارتقی کی تقریریں کہیں۔ تمام دنیا پر قابض ہو جانے کی خواہش کس قدر معقول وہ بھی یہ کہ جرمن کی آبادی بڑھ رہی ہو نہیں سمجھ سکتے کہ وہ توپاں تلوار کی خواہش دنیا کے لیے بڑی خطرناک اور مشکل ہے اگر یورپ کے مصلحین و نبی خواہ حضرات کو اس کا علاج تلاش کرنے میں اس قدر زحمت

کیوں گوارا کرنی پڑتی ہے سب سے آسان طریقہ کیوں نہیں اختیار کیا جاتا جس سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ زمانہ کو بھی امن و سکون نصیب ہو اور وہ یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہو جرمنی کی جنگ جو آبادی کا بڑا حصہ کم کیا جائے۔ یہی موجودہ دنیا کی سیاسی مرض کا اندمال ہے تو موجودہ جنگ میں ہو رہا ہے زیادہ فکر کی بات نہیں ہے۔

اعلان جنگ کے بعد قسطنطنیہ کی ایک صبح

ایوننگ نیوز کا نامہ نگار جو اعلان جنگ کے بعد قسطنطنیہ میں موجود تھا لکھتا ہے کہ مجھے جو دن کا علم ہو گیا کہ صبح سلطان میدان میں جا کر فوج کا معاینہ کرینگے میں پہنچا تو پہلے ہی سے پہنچ چکے تھے اور دیکھا کہ فوجوں کی صفیں ترتیب سے قائم ہو رہی ہیں اور جنرل لیمن جرمنی حکم کا انتظام کر رہے ہیں اتنے میں سلطان کی گاڑی قریب سے گزری اور پھر توپخانہ کے ہجوم میں غائب ہو گئی تھوڑی دیر بعد قواعد شروع ہوئی اور سلطان اوسی جگہ تشریف لے گئے جہاں جرمن توپخانہ کی فصیل نمایاں ہو رہی تھی۔ تو فصیل چاندی سے ایک نہایت خوشنما سنہری شخص رنگی ٹوپی پہنے ہوئے باہر نکلا یہ انور پاشا تھا جس کا نام انگلستان کی اوسوقت سارے عالم میں دھوم مچی ہوئی ہے اور ہر شخص جس کے نام سے واقف ہو گیا ہے بعد میں پھر آگیا یہ وہ حصہ شہر ہے جہاں ہر وقت کاریں موٹریں اور گھوڑوں کا ہجوم رہتا تھا لیکن آج سنسان تھا کیونکہ پچھلے حصہ آبادی کا ہو جو جنگ کی وجہ سے



بالکل سامنے پولیس کے بائیں جانب ایک بڑی عمارت پر جس پر صلیب احمر کا جھنڈا نصب تھا ایک جرمن ہسپتال تھا لیکن اب ہسپتال ہو گیا ہے اور انور پاشا کی بیوی نجیبہ خانم کے زیر اہتمام ہے چند سال قبل یہ بات ناممکن تھی کہ اس رتبہ کی ترکی خاتون ایسے کاموں میں حصہ لیتی لیکن ترکی اب وہ ترکی نہیں رہا جو اعلان جنگ کے قبل تھی قسطنطنیہ میں بہت سے جرمن ڈاکٹر زخمی (سپاہیوں) کو دیکھ رہے تھے

اعتذار

یہ امر آج کل کے مسلمات میں سے ہے کہ کوئی انسانی قوت یا وسعت سعی یا اسباب کا انتظام نہیں کر سکتی کہ ستثنی طباعت اغلاط سے پاک ہو۔ کاتبوں کی دنیا ایک مستقل جدا دنیا ہے جس کے اصول کچھ اس عالم سے الگ ہیں۔ پھر وہ غفلت و لاپرواہی جو ایک مخلوق کی سرشت ہو کیونکر اس قدر جلد اصلاح پذیر ہو سکتی ہے۔ بہرحال سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ یہ مصیبت جس طرح بھی ہو برداشت کی جائے اور ایک ہفتہ کی غلطیاں دوسرے ہفتہ میں ظاہر کر دی جائیں جس وقت ہفتہ ماسبق کا رسالہ طیار ہو چکا تو یہ معلوم کر کے کیسی تکلیف ہوئی کہ اس میں بعض غلطیاں ایسی رہ گئیں جو ادبی و علمی دنیا میں کفر کی حد تک پہنچی ہیں مثلاً صیغہ کے بجائے صیغہ ادب کی جگہ عرب وغیرہ۔ لیکن ان کا کوئی علاج نہیں تھا۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ اب آئندہ احتیاط سے کام لیا جائے ورنہ مجبوراً ہر ہفتہ ایک فہرست اغلاط شائع کرنی پڑے گی جس کو دیکھ کر ناظرین گذشتہ اشاعت کے رسالہ کو درست کر لیں گے۔

رود بار انگلستان میں ایک نیا خطرہ

سول اینڈ ملٹری گزٹ نے اپنی ۵ جنوری کی اشاعت میں اپنے نامہ نگار مقیم پیرس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رود بار انگلستان میں ایک جرمن آبدوز کشتی نے آفت مچا رکھی ہے جس کا اگر جلد خاتمہ نہ کر دیا گیا۔ تو اس کا وجود بھی ایمڈن کے وجود سے کم نہ ہو گا۔ گذشتہ چند روز میں برطانیہ کے ۷ تجارتی جہاز ساحل فرانس کے قریب وہ غرق کر چکی ہے اس وقت انگلستان کے محکمہ بحر کو نہایت سرعت سے توجہ اس طرف مبذول کرنی چاہئے کہ جس طرح ممکن ہو۔ جرمن آبدوز کشتیاں اپنی آمد و رفت نہ رکھ سکیں اور اسباب کا پتہ لگایا جائے۔ کہ ان کشتیوں کا مرکز کہاں ہے۔ کہاں سے آتی ہیں۔ اور کدھر ایندھن لینے کے لئے لوٹ جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوا۔ تو فرانس و انگلستان کے درمیان آمد و رفت کے ذرائع مسدود ہو جائیں گے۔ برطانیہ و فرانس کے پاس بہت زیادہ اس قسم کی کشتیاں ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ جرمن ان کشتیوں سے خوب کام لے رہا ہے۔ محکمہ بحری اس امر پر غور کر رہا ہے کہ کہیں غیر جانبدار جہازوں کے ذریعہ سے تو ان کو سامان رسد وغیرہ نہیں پہنچتا۔ موجودہ جنگ میں ان آبدوز کشتیوں کا مسئلہ عجیب و غریب ہے۔ فرانسیسیوں نے ان کو ایجاد کیا تھا مگر انہیں کیا خبر تھی۔ کہ ایک زمانہ وہ بھی آنے والا ہے جب ان کی ایجاد ہی خلاف ایسے ناگوار طریقہ سے استعمال کی جائے گی۔

نگ کے متعلق بعض دلچسپ معلومات

ے بلجیم میں کلوروفارم کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے اب عمل جراحی بغیر
ہوتا ہے

، بلجیم ہی ایک ایسی خود مختار سلطنت ہے جس کے پاس کوئی جہاز نہیں ہے

ے سینکڑوں اسکول ماسٹر جو فرانسیسی و جرمن زبان جانتے تھے مترجم کا کام
ے لئے فوج میں بھیج دیے گئے ہیں

جرمن نے بلجیم کا شہر لیئژ فتح کرنے پر وہاں کے باشندوں سے ۲۰ روپیہ فی کس کے حساب سے ۸ کروڑ روپیہ جرمانہ مانگا ہے۔

کارخانہ مسٹر کرپ (جرمن) کے سرمایہ میں ۵ لاکھ پونڈ سے ۲۰ لاکھ ۵ ہزار پونڈ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

پچھلے ۳ ہفتوں میں صرف لندن نے ۱۲ ہزار گھوڑے میدان جنگ کے لئے بہم پہنچائے ہیں

جزیرہ سیلون (لنکا) نے جنگ میں استعمال کرنے کے لئے ۵ لاکھ روپیہ عطیہ گورنمنٹ کو دیا ہے

بلجیم گورنمنٹ نے انگلستان سے ۵ کروڑ روپیہ قرض مانگا ہے۔

---

۳ ہفتوں میں صلیب احمر کے لئے ساڑھے سات لاکھ روپیہ فراہم ہو گیا۔

یادگار حالی

کے متعلق یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوئی کہ پانی پت میں ۳ جنوری سنہ ۱۵ء کو ایک جلسہ کا انعقاد ہوا۔ اور تمام عمائدین قصبہ نے اس میں نہایت دلچسپی سے حصہ لیا۔ اس جلسہ میں منجملہ اور ریزولیوشنوں کے جو کام کی بات ہوئی وہ یہ ہے کہ مرحوم کی یادگار میں موجودہ مسلم ہائی سکول پانی پت کو جو مرحوم کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا۔ اور جو ابھی بالکل ابتدائی حالت میں ہے، ترقی دیکر ایک اعلیٰ درجہ کا ہائی سکول بنا دینے کا مسئلہ پیش کیا گیا اور یہ بھی تجویز کیا گیا کہ اس کے متعلق (علاوہ اس کے کہ تجوید و قرأت کا بھی اہتمام کیا جائے) ایک بورڈنگ ہاؤس دارالاقامہ تعمیر ہو جس میں کم از کم ۲۰۰ بورڈر رہ سکیں۔ جلسہ میں چندہ کا بھی اعلان لوگوں نے کیا اور شکر ہے کہ اس کی تعداد ایسی کم نہ تھی۔ ہمیں امید ہے کہ اس یادگار کی تکمیل میں صرف مقامی کوششوں پر حصر نہ رکھا جائے گا کیونکہ مولانا کے ارادتمندوں میں بہت بڑا طبقہ انہیں لوگوں کا ہے۔ جو پانی پت سے باہر ہیں اور اس مبارک تجویز میں عملی مدد کرنے کے اہل ہیں۔ اسی طرح

یادگار شبلی

قائم کرنے کی نسبت طلباء دار العلوم ندوۃ العلماء کی یہ کوشش ہے کہ احاطہ دار العلوم میں ایک عمارت شبلی منزل کے نام سے قائم کی جائے جس میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں رکھی جائیں اور دار العلوم کے طلباء ان سے فائدہ اٹھائیں اور اس عمارت میں فن خطابت کی بھی مشق کریں۔ ہر چند یہ تجویز بھی نہایت مسعود و محمود ہے۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ اچھا ہوتا اگر دار المصنفین کے نام سے اس عمارت کی بنیاد پڑتی، کیونکہ مرحوم ہی کی یہ تجویز تھی اور نہایت ضروری تھی۔ مگر ہمیں امید ہے کہ وہ انجمن جو نو ساختہ شہر لکھنؤ کی قائم ہوئی ہے اس پر توجہ کرے گی۔ اور اسی ضمن میں اصلاح ندوہ کے مسئلہ کو بھی پیش نظر رکھے گی۔

الہ آباد یونیورسٹی کی ایک جدید تحقیقات

ے حال ہی میں ایک عجیب و غریب سرکلر جاری کیا ہے۔ جس کا منشاء باوجود غور و فکر کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ سرکلر کا مدعا یہ ہے کہ میٹریکولیشن کلاس کے وہ طلباء جو مسلسل تین سال تک فیل ہوتے رہیں۔ آئندہ پڑھنے سے روک دیے جائیں۔ اور ان کو شرکت امتحان کی اجازت ... نہ دی جائے۔ ایک انسانی عقل اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ اگر کوئی طالب علم تین دفعہ کی ناکامیابیوں کے بعد بھی اپنی استقامت کا ثبوت دینے کے لئے تیار ہے۔ تو وہ کیوں قابل تعزیر سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی وجہ اس کی ہو سکتی ہے تو شاید اس کا تعلق کسی جدید تحقیقات سے ہو گا۔ کیونکہ ممکن ہے تین سال کے بعد ایک بدقسمت طالب علم میں خاص جراثیم ناکامیابی پیدا ہو جاتے ہوں۔ اور پھر اندیشہ ہو کہ کہیں وہ دوسرے ذہین طلباء کو بھی اس مرض سے متاثر کرے۔ یو۔ پی سے اس کے خلاف اپیل ہوئی ہے۔ خدا کرے کامیاب ہو۔ مگر ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ کانفرنس نے اس متعلق کیا کوششیں کی ہیں، اور تا وقتیکہ عام طور سے اس کے خلاف آواز متفقہ بلند نہ کی جائے گی۔ ہمیں امید نہیں کہ تا جبریوں ... جو ملک پر مسلط ہو گئی ہے آسانی سے دفع ہو سکے بہت ضرورت ہے۔ کہ صوبجات متحدہ کا مشہور عالم تعلیم اخبار البشیر اس طرف خاص توجہ کرے۔ اور عصر جدید بھی ڈاکٹر ... کی خدمت میں عرض کرے کہ حضور صرف نوٹ لکھنے سے کام نہ چلے گا۔ ذرا اٹھنے کی ضرورت ہے

ناگفتہ بہ

حصہ پنجم شیخ سنوسی

مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

قیمت چار آنے

تین پر ایک

حصہ چہارم شیخ سنوسی

مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب

قیمت چار آنے

اور شیخ سنوسی کا پہلا دوسرا تیسرا حصہ فوراً منگائیے جن میں آئندہ زمانہ کے انقلابات اور موجودہ جنگ کے پر اسرار انجام کے حالات ہیں۔

مختصر فہرست تصانیف حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی یہ ہے

سفر مصر و شام و حجاز با تصویر	۱۲	فلسفۂ شہادت	۱
بے تصویر	۸	خواجہ حسن نظامی کو پہچانو	۱
روزنامچہ خواجہ حسن نظامی	۸	بم ۸ بندوق ۸	
تسخیر مہر و قہر	۸	ہوائی جہاز، جرمن تصویر	۸
پیغمبری اشارہ کی اردو دنیا	۸	پیچر کا اعلان	۱
غدر دہلی کے افسانے	۸	دل کی مراد	۸
رسول کی حیدری	۲	اسرار	
سوانح عمری حضرت امیر خسرو	۳	ہندوستان کی پہلی گیتا	۸
انتخاب اخبار توحید شہید		کمپنی کا میدان جنگ	۱

یہ سب کتابیں

کارکن حلقۂ المشائخ دہلی سے منگائیے

ستر دو بہتر صفحے تو کہنے کو ہیں ورنہ اصل میں نظام المشائخ کا ماہوار حجم اکثر سو سو صفحے تک پہنچتا ہے پھر اس پر بادجود تمام ظاہری و باطنی خوبیوں کے قیمت قسم اول ہے قسم دوم ۲ سوم ۲ مینیجر رسالہ ہذا

ایک شاعر کا انجام

مصنفہ مولانا نیاز فتحپوری

اگر ادب لطیف کا بہترین نمونہ آپ ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں تو اس ادبی مرقع کو طلب کیجیے۔ جو اپنی نوعیت ترکیب لطافت خیال اور ندرت جذبات کے لحاظ سے ادب اردو میں ایک نہایت قیمتی و جدید اضافہ ہے۔ قیمت ۸ ر

مینیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

انتخاب نظام المشائخ

رسالہ نظام المشائخ دہلی کے ابتدائی ۱۸ پرچے جو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی ایڈیٹری میں نکلے تھے ان میں چیدہ چیدہ مضامین معرفت اور تصاویر خواجہ حسن نظامی و ملا محمد الواحدی انتخاب نظام المشائخ کے نام سے شائع کئے گئے ہیں۔ لکھائی چھپائی در المشس پریس دہلی کی نفاست ڈیڑھ سو صفحے قیمت علم ۱۲ ر علاوہ محصول۔ اور خریداران اخبار خطیب سے ۱۰ ر ہے یعنی

مینیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی سے طلب کیجیے

عطر مجربات

المعروف

قرابادین لطفی

تالیف جناب حکیم عبد الستار صاحب لطفی مؤلف **مجربات** حکیم داؤد انطاکی ۱۲ ر وجود اہر کشتہ آہنگ کے وغیرہ جواہر مہرہ و سرمایہ شباب ۳ ر و تریاق بواسیر ۲ ر وغیرہ وغیرہ قرابادین تمام ممالک حاذق کی تصنیفات کا عطر ہے کیونکہ اس میں ہر حکیم کی مجربات اس کی تصنیفات سے انتخاب کر کے لکھی گئی ہیں جس کے نسخے بدین تفصیل ہیں۔ ایک ہزار اکثر نسخہ جات مستند طب یونانی و ۲۶۰۰ طب ویدک و ۱۰۰ ڈاکٹری اور دو سو خاص سینہ بسینہ کے مجرب نسخے درد شکم کی غرض انتہا ہو سکتے کتاب عجیب و غریب ہے قیمت فی جلد ۳ ر

غلام نظام الدین کتب فروش دہلی بازار چوک سے طلب فرمائیے

جنگ

تو آپ چلے گئیں، ہندوستین سے لیکن تلوار میدان عمل آئی دل دہل گئے ہیں آنکھیں انجام کار دیکھنے کیلئے بے قرار ہیں آپ رسالہ فیضان سنوسی منگا کر دیکھئے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے اسمیں بڑی زور کی باتیں لکھی ہیں۔ قیمت صرف ۶ ر محصول ڈاک الگ ہے

فیضان سنوسی کے پہلے دو حصے بھی پڑھ چکے ہو تو دوبارہ پڑھو تاکہ سلسلہ پایا جائے ان دونوں کی قیمت ۸ ر علیحدہ علیحدہ حصوں کی قیمت بھی ۴ ر

غم اور مصیبت میں خدا کو یاد کرو، پیغمبری اشارہ کی اردو ملاحظہ پڑھو

تسخیر مہر و قہر

یعنی اعمال حزب البحر حسایۃ تسخیر حکام ...
اعداء۔ ادائیگی قرضہ حصول اولاد ...
ترقی عزت و جاہ و کمال ...
البحر سے اعمال ...
صاحب کی لکھی ہوئی ہیں قیمت

دربار رسول

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا مضمون جو نظام المشائخ کے رسول نمبر ۱۳۳۶ھ میں چھپا تھا اور مولوی ظفر علی خان صاحب بی اے ایڈیٹر زمیندار کا مضمون "اسلام کی برکتیں" اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی نظم "تنزل اسلام کا سبب اصلی" یہ تین مضمون جو نظام المشائخ میں شائع ہو چکے ہیں اب سب کو کتاب کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ بہت مفید اور قابل دید کتاب ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۳ ر

مینیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی